اُستادِ محترم ابنِ صفی مرحوم کے تیسرے صاحبزادے احمد صفی نے اپنے ابو کی زندگی کے چند آخری لمحات کو کس طرح الوداع کہا۔

اُن جاں گسل گھڑیوں کی رُوداد جہاں اشرف المخلوقات بے بس ہو جاتا ہے۔

الوداع ابو

احمد صفی

۲۶ جولائی ۱۹۸۰ء ... یہ وہ دن تھا جس نے مجھے میرے اہلِ خاندان سمیت تمام حادثوں سے بے نیاز کر دیا۔ اس دن وہ حادثہ پیش آیا کہ جس کے بعد ہمارے لیے مزید کسی اندوہناک حادثے کا تصور باقی نہیں رہ جاتا۔ یہ وہ دن تھا کہ جس دن نہ صرف آٹھ دس افراد پر مشتمل ایک کنبے کا سربراہ رُخصت ہو گیا۔ بلکہ برصغیر کے کروڑوں افراد کا مرکز توجہ اس دنیا سے انتقال کر گیا۔ بک سٹالوں پر بڑنے والی کروڑوں منتظر نگاہوں کو آنسوؤں کا تحفہ دے کر اسرار احمد جنہیں ایک عالم ابن صفی کے نام سے جانتا ہے راہی ملکِ عدم ہوئے۔

اس دن کی ایک ایک بات اپنی معمولی معمولی تفصیلات کے ساتھ میرے ذہن میں اُبھرتی ہے لیکن میں گرد و پیش میں مشغول ہو کر اسے دبانے کی کوشش کرتا ہوں۔ پھر بھی کبھی کبھی تنہائی میں یہ غم، حافظے کا سہارا لے کر لاشعور کی گہرائیوں سے نکلتا ہے اور آنکھوں کے راستے بہ جاتا ہے۔ آج بھی اس دن کی یاد بے ساختہ اُبھر آئی ہے۔

۲۴ جولائی ۸۰ء کو ابو کی طبیعت معمول سے زیادہ خراب ہو گئی تھی۔ معمول سے زیادہ اس لیے کہ اس بیماری کو تقریباً دس ماہ کا عرصہ ہو چکا تھا۔ ابو پر درد کا پہلا اور شدید حملہ ۱۷ ستمبر ۷۹ء کی رات کو ہوا تھا، اور اس کے بعد صحت مسلسل خراب ہی رہی۔ نومبر ۷۹ء میں بیماری شدت اختیار کر گئی۔ ڈاکٹروں نے طویل معائنوں اور تکلیف دہ ٹسٹوں کے بعد ایک خطرناک بیماری کا اندیشہ ظاہر کر دیا تھا۔ دسمبر ۷۹ء میں ابو کو کراچی کے جناح اسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ مزید معائنوں اور ٹسٹوں نے لبلبہ میں کینسر کی تصدیق کر دی۔ اس بات کو ابو سمیت تمام لوگوں سے پوشیدہ رکھا گیا۔ صرف امی، میں، بھیا (ابرار صفی) اور ایک دو اقرباء کے علاوہ کوئی اس بات سے واقف نہ تھا۔ اسپتال میں بہترین علاج اور توجہ سے ابو کی بیماری میں بظاہر کمی ہو گئی، لیکن ان کا وزن گھٹ کر آدھے سے کم رہ گیا۔

اسپتال سے گھر آنے کے بعد بھی علاج جاری رہا، لیکن اس بیماری کی وجہ سے ابو کے جسم میں متواتر خون کی کمی واقع ہونے لگی۔ نتیجتہً مہینہ میں ایک بار خون پہنچانا ضروری ہو گیا۔ جمعرات ۲۴ جولائی ۸۰ء کو ابو کو بخار آ گیا، جو اس وقت غیر معمولی بات نہیں تھی۔ لیکن رات ہوتے ہوتے بخار بہت تیز ہو گیا۔ دوسرے دن صبح کو طبیعت میں خرابی کی وجہ سے دیر سے سو کر اُٹھا۔ امی نے بتایا کہ رات بھر ابو کی طبیعت بہت خراب رہی تھی۔ ابو کو اس وقت بھی خاصا بخار تھا۔ جمعہ کا دن تھا، چھٹی ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر کا ملنا بھی مشکل تھا۔ امی کے مشورے سے میں اور بھیا (ابرار) رحمٰن بھائی کو لینے چلے گئے۔ ڈاکٹر رحمٰن، سول ہاسپٹل کراچی کے ایک نوجوان ڈاکٹر ہیں۔ بھائی جان (ایثار صفی) کے دوست اور ابو کے مداح ہونے کی وجہ سے وہ ہم لوگوں کا بے حد خیال کرتے تھے۔

ڈاکٹر رحمٰن آئے تو ابو کا بخار تیز ہو چکا تھا۔ ان کی سانس اس قدر تیز تیز چل رہی تھی کہ بولنا دشوار تھا۔ بیماری کے دوران اکثر سانس کا حملہ ہوا کرتا تھا، لیکن اس دفعہ کچھ زیادہ شدید تھا۔ رحمٰن بھائی نے فوراً بازار سے دو انجکشن منگوائے۔ انہوں نے کہا کہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ انشاءاللہ ابھی ٹھیک ہو جائیں گے۔ ایک انجکشن نس میں لگنا تھا۔ جب انہوں نے انجکشن لگانے کے لیے ابو کی آستین سرکائی تو ابو نے منع کیا کہ "میرے بازو مزید مت چھیدو"۔ بار بار خون اور گلوکوز لگ لگ کر ابو کے بازوؤں کی نسیں چھلنی ہو رہی تھیں اور کوئی نس بھی سلامت نہ تھی۔ رحمٰن بھائی نے وہ انجکشن داہنے پیر کی ایک رگ میں لگایا۔

انجکشن لگنے اور دوا ملنے کے بعد سانس کی شدت میں کمی واقع ہوئی۔ ابو نے عادتاً طبیعت سنبھلتے ہی باتیں شروع کر دیں۔

انہوں نے رحمٰن بھائی سے کہا کہ "ذرا ان دونوں کو بھی دیکھ لو" اشارہ میری اور افتخار (چھوٹے بھائی) کی جانب تھا۔ ابّو کو یاد تھا کہ رات ہم دونوں کو بھی بخار تھا اور ان ہی کے کہنے پر ہم دونوں اس دن روزے سے نہیں تھے۔ رحمٰن بھائی نے ابّو کو تھرمامیٹر لگایا، بخار کم ہو چکا تھا پھر بھی زیادہ تھا۔ ابّو اس پر بولے کہ "کہ دراصل یہ تھرمامیٹر ہی ایسے مُلک کا تیار کردہ ہے جس پر کبھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔"

بیماری کے عالم میں بھی ان میں سیاست پر بات کرنے کی ہمت تھی پھر انہوں نے ڈاکٹر رحمٰن کے لیے چائے بنوائی اور کافی دیر تک ان سے سیاست پر بات کرتے رہے۔

نمازِ جمعہ کے بعد رحمٰن بھائی پھر ابّو کو دیکھنے آئے۔ ابّو نے صبح سے کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ جب وہ کسی چیز سے انکار کر دیتے تھے تو پھر کوئی ان سے اصرار نہیں کر سکتا تھا۔ اس دن طبیعت مالش کر رہی تھی، لہٰذا کھانے اور پھل وغیرہ سے انکار کر دیا تھا۔ رحمٰن بھائی کے مجبور کرنے پر ابّو انڈے کی پڈنگ کھانے پر راضی ہو گئے جو انہیں نہایت مرغوب تھی۔ امّی نے گھر میں تیار کرنا چاہی لیکن ابّو نے قریبی ریستوران کی پڈنگ کی خواہش ظاہر کی۔ بھیا فوراً لے کر آئے۔ رحمٰن بھائی نے خود اپنے ہاتھ سے چند لقمے کھلائے، پھر ابّو کی طبیعت مالش کرنے لگی۔ انہوں نے شام کے وعدے پر بہت سی پڈنگ چھوڑ دی۔

شام کے وقت افطار کے بعد عیادت کے لیے حسبِ معمول لوگوں نے آنا شروع کر دیا۔ ابّو کو کافی تیز بخار تھا اس کے باوجود آنے جانے والوں سے تھوڑی بہت بات چیت کر رہے تھے۔ ہم لوگوں نے پڈنگ یا کھانے کے لیے بہت اصرار کیا لیکن ہر دفعہ ابّو ناراض ہوئے کہ نہیں نگلی جاتی۔ امّی نے کہا بھی کہ ابھی رحمٰن آئیں گے تو ان کے ڈر سے آپ کھا لیں گے۔ اور ہوا بھی یہی۔ ڈاکٹر رحمٰن کے اصرار پر انہوں نے چند ایک لقمے پھر کھائے۔ کمزوری کے سبب ہاتھ اُٹھانا مشکل ہو رہا تھا۔ اس کے باوجود "آخری آدمی" کے اگلے ناول کے چند صفحات سرہانے رکھے تھے کہ جیسے ہی طبیعت سنبھلے پھر لکھنا شروع کر دیں۔ یہ ناول جو جاسوسی دنیا کا تھا، کبھی مکمل نہ ہو سکا۔

رحمٰن بھائی نے جاتے وقت بھیا سے کہا کہ "اس وقت تو حالت قدرے بہتر ہے انشاء اللہ صبح سب سے پہلے خون چڑھوانے کا انتظام کریں گے۔" یہ ایک ایسی صبح کا ذکر تھا جو کبھی نہ آئی۔ بھیا نے ابّو کے معالج کینسر اسپیشلسٹ ڈاکٹر منظور زیدی سے بھی رابطہ قائم کرنا چاہا لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اس رات مجھے بھی کافی بخار تھا۔ میں ابّو کے پاس سے اُٹھ کر بڑے کمرے میں چلا آیا اور لیٹتے ہی سو گیا۔ اس بات کا اطمینان تھا کہ ابّو کے پاس امّی موجود ہیں۔ ابّو کی بیماری کے دوران رات رات بھر جاگ کر تیمارداری کرنا امّی کا معمول بن چکا تھا۔ بیماری کی نوعیت کا اندازہ ہونے کی وجہ سے وہ اندرونی طور پر بہت پریشان تھیں۔ دن رات کی محنت اور اعصابی تناؤ نے خود امّی کو مریض بنا دیا تھا، لیکن انہوں نے ابّو کی تیمارداری میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

رات کو ڈیڑھ بجے کا عمل تھا۔ گھڑیاں دیر ہوئی ۲۶ تاریخ کا اعلان کر چکی تھیں۔ ابّو نے سارے دن کے بعد اس وقت بیت الخلاء جانے کے لیے کہا۔ سارا دن اس قدر کمزوری رہی تھی کہ ہاتھ نہ اُٹھتا تھا لیکن اس وقت خود اُٹھے اور اور سہارا لے کر کمرے سے متصل باتھ روم گئے۔ وہاں سے واپس آئے تو سانس نہایت تیزی سے چل رہی تھی۔ بھیا (ابرار) کو بلوایا کہ پیٹھ سہلا دیں۔ امّی نے فوراً بھیا کو جگایا۔ جب بھیا پیٹھ سہلا رہے تھے تو ابّو نے کہا "ناحق تم کو آدھی رات تنگ کر رہا ہوں، میری وجہ سے تم لوگوں کو بہت پریشانی ہوتی ہے۔" ان کی آنکھوں میں آنسو تھے تھوڑی دیر میں اچانک تکلیف میں اضافہ ہو گیا۔ کراہنے کی آواز سُن کر میں فوراً کمرے میں پہنچا، اس وقت تک ابّو لیٹ چکے تھے۔ ان کی آنکھیں چھت میں گڑی تھیں اور سانس چلنے کی وجہ سے پورا پلنگ ہل رہا تھا۔ ہم سب پریشان ہو گئے۔ امّی اور بہنیں گھبرا کر رونے اور دعائیں مانگنے لگیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ میں اور بھیا، ابّو کے ہاتھ پاؤں سہلانے لگے۔ ابّو کی حالت دیکھ کر سب کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ بھیا روتے جاتے تھے اور ابّو کو جھنجوڑتے تھے۔ افتخار فوراً گاڑی لے کر ڈاکٹر رحمٰن کی طرف دوڑ گیا، بھیا اور مجھ میں ابّو کے پاس سے ہٹنے کی ہمت نہ تھی۔ امّی اور بہنیں پاگلوں کی طرح اِدھر سے اُدھر دوڑتی تھیں۔ اچانک ابّو نے زور سے سانس لی اور ان کے چہرے کا کرب یکسر دُور ہو گیا . . . وہ بالکل پُرسکون ہو گئے۔

اس کے بعد ڈاکٹر کے آنے اور اس کے تصدیق کرنے تک کیا کیا ہوا وہ نہ مجھ میں بیان کرنے کی سکت ہے اور نہ میں رقم کر سکتا ہوں۔ نہ ہی مجھے بعد کا کوئی ہوش تھا۔ خیال تھا تو بس اس کا کہ ابّو دو دن بھی بھائی جان کا انتظار نہ کر سکے . . . اب بھائی جان کا استقبال کون کرے گا۔ یونیورسٹی سے واپسی پر کوئی مجھ سے نہ پوچھے گا "آج کیا رہا اجی؟" محسنہ کو "سپاگاں" کوئی نہیں کہے گا۔ کوئی آواز اپنے "علی میاں بیتے" کو نہیں پکارے گی۔ کوئی نہیں . . . کوئی بھی نہیں۔

**